افکار تازہ

یعنی

مجموعہ غزلیات مشاعرہ

نمائش مظفرنگر سنہ ۱۹۲۸ء

مقدمہ

مرتبہ جناب پنڈت کیلاش نرائن صاحب بی اے ایل ایل بی

سکریٹری مشاعرہ

باہتمام مولوی [illegible] پرنٹر

[illegible] مظفرنگر میں طبع ہوا

مقدمہ

۲ و ۳ ؍ اپریل کی درمیانی شب بھی مظفرنگر کی تاریخ میں ایک یادگار شب ہوگی
عین زمانۂ شباب نمائش میں یہ شب واقع ہوئی اور یہی شب مشاعرہ بھی تھی
اگرچہ مشاعرہ مظفرنگر جیسے مقام کے لئے کوئی جدید امر نہ تھا۔ لیکن اہل حق وانصاف
کا اس پر اتفاق ہے کہ ایسی کامیاب و شاندار صحبت ادب یہاں کبھی نہیں ہوئی
آئیے آپ کو تھوڑی دیر کیلئے بزم مشاعرہ کا منظر دکھلائیں دنیائے شاعری
کے ان اصحاب سے ملاقات کرائیں۔ جو ادب اردو کیلئے مایۂ ناز ہیں۔ وہ
دیکھئے مشاعرہ کا پنڈال نظر آتا ہے جسکے سامنے نہایت جلی اور نمایاں سنہری
حروف میں "مشاعرہ" تحریر ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں ہر سال علم و ادب
کی صحبتیں بہ سرپرستی جناب نواب محمد سجاد علیخانصاحب رئیس کرنال ہوا کرتی ہیں
لیکن خلاف دستور اس مرتبہ پنڈال کا پیمانہ بہت وسیع ہے جسمیں بلا شک و شبہ

دو ہزار نفوس بآسانی ایک وقت میں بیٹھ سکتے ہیں۔ اندر کیجانب پنڈال انواع و اقسام کی جاپانی بیلوں اور پھولوں سے مزین کیا گیا ہے اسکے ستون سرخ پارچہ سے ڈھکے ہوئے اور طلائی و نقرئی منقش سے آراستہ و پیراستہ ہیں۔ اسکے کثیر التعداد دروازوں پر بیرونی جانب دھانی رنگ کے پردے آویزاں ہیں تاکہ شائقین ہمہ تن مصروفیت کیساتھ دنیا وی مخصوں سے خالی الذہن ہوکر شعرا کے کلام کو سن سکیں۔

فرش کا یہ انتظام ہے کہ نیچے دریاں ہیں۔ انپر چاندنی کا فرش اور پھر انپر قالین اور قالین بھی ایسی ترتیب اور تنظیم کیساتھ بچھائے گئے ہیں کہ ایک دوسرے کے جواب کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ ہر قالین اپنی اپنی حیثیت میں صنعت کا بہترین نمونہ ہے۔ پنڈال کے آخر میں ایک تخت رکھا گیا ہے جسپر طلائی مسند آراستہ کیگئی ہے اسکے ایک جانب آنکھوں کو خیرہ کرنیوالا سہ شاخہ گیس کا لیمپ ہے۔ اس مسند کی پشت پر پنڈال کے پورے عرض میں چھپے ہوئے پردے آویزاں کئے گئے ہیں جنمیں سے ہر پردہ صحن چمن کی زندہ تصویر ہے۔ یہ سماں ایسا دلچسپ اور نظر فریب ہے کہ تھوڑے فاصلہ پر دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تخت وسط چمن میں بچھا ہوا ہے یہی وہ جگہ ہے جہاں سے تھوڑے عرصہ کے بعد شعرا کے دلنواز اشعار کی صدائیں سنائی دینگی اور جو میر مشاعرہ کی جائے صدارت بنے گی۔ تمام پنڈال کا منظر ایسا دلکش اور دلچسپ ہے اور اُن تمام لوازمات آرائش کا مرکز ہے جنکا انسانی

تخیل احاطہ کرسکتا ہے ان زینتوں اور آرائشوں کا اہتمام ہمارے مکرم محمد اکرم خانصاحب
بی اے مینیجر ریاست کرنال نے اپنی سعی بلیغ سے فرمایا ہے۔
رات کے آٹھ بجنے کو آئے۔ شائقین سخن تھوڑی دیر گذرنے نہ پائی تھی کہ
جوق جوق آنا شروع ہو گئے۔ اور ٹھیک آٹھ بجے محفل اچھی طرح بھر گئی۔
نشست کا انتظام اسطرح پر ہے کہ جداگانہ طبقات ہر درجہ کی حیثیت کے اصحاب
کیلئے مخصوص ہیں غرضکہ شعرائے صاحبان کا طبقہ جداگانہ [illegible] پنڈال میں
ایک سرے سے مسند صدارت تک ٹول سے راستہ نمایاں کر دیا گیا ہے جو آئندگان
و روندگان کیلئے مخصوص ہے اور نشست کی اغراض کیلئے یہ راستہ ممنوع ہے
پنڈال کے گرداگرد خوشنما جھنڈیوں سے حدود واضح کر دی گئی ہیں تاکہ آمد و رفت
صرف مقررہ راستوں ہی سے ہو سکے۔ پنڈال لبریز ہو چکا ہے۔ جگہ نہیں رہی۔
شائقین کی آمد کا سلسلہ جاری ہے مہتمان پریشان ہیں کہ کیا کیا جائے بقول شاعر
شوق در ہر دل کہ باشد رہبرے درکار نیست ❊ سیل بے رہبر بدریا میرساند خویش را
دروازوں پر جو صاحبان مہمانوں کے استقبال کیلئے متعین ہیں حیران ہیں
کہ اب شائقین کو کہاں لیجا کر بٹھایا جائے۔ ناچار شائقین خود دیکھکر حدود پنڈال
سے باہر جہاں موقعہ دیکھتے ہیں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تقاضہ ہے کہ مشاعرہ شروع
کر دیا جائے۔ ہمارے ضلع کے سشن جج جناب پرتاب سنگھ صاحب بھی بنفس نفیس

تشریف لائے ہیں، قدرت نے انکو سخن فہمی کا جوہر خاص طور پر عطا فرمایا ہے۔
مشاعرہ کیونکر شروع ہو۔ بیرونجات کے شعراء ابھی تشریف نہیں لائے حاضرین کی طبائع بےچین ہیں اور پیہم متواتر تقاضے ہیں کہ مشاعرہ شروع کر دیا جائے۔
بدون شعرائے بیرونجات کے جو خاص طور پر مدعو کئے گئے ہیں مشاعرہ شروع کر دینا ترک ادب کا مرادف ہے۔ یہ لیجئے چند موٹریں آتی نظر پڑتی ہیں۔ انہی موٹروں میں وہ مہمان ہیں جنکا بیتابی کیساتھ انتظار ہو رہا ہے۔ ہمارے رضا کار استقبال کیلئے آگے بڑھتے ہیں۔ موٹریں رکتی ہیں اور مہمان اتر کر داخل محفل ہوتے ہیں۔
یہی وہ لوگ ہیں جو دور جدید کے مشاہیر میں سے ہیں۔ جنکی ذات سے فن شاعری زندہ ہے اور جو ادب اردو میں اک مستقل حیثیت رکھتے ہیں۔
جناب ثاقب۔ جناب ساحر۔ جناب ناٹک۔ جناب عیاں۔ جناب تسکین۔
جناب فدا۔ جناب برق۔ جناب نرم۔ جناب شوخ۔
بہ رہبری رضا کاران طبقہ شعراء میں پہونچکر مقام مناسب پر تشریف رکھتے ہیں اصرار ہے کہ میر مشاعرہ تجویز کئے جائیں۔ اہل محفل کی نظر دو ہستیوں پر پڑ رہی ہے ثاقب یا ساحر۔ دونوں صاحب ایک دوسرے سے اصرار کرتے ہیں۔ بالآخر جناب ساحر ہی صدارت کیلئے تجویز ہوتے ہیں یہ لیجئے ساحر صاحب مسند صدارت پر تشریف لے آئے۔ محفل پر اک عالم تموج طاری ہے جس سے طبیعتوں کی بےچینی

اور اشتیاق کا پتہ چل رہا ہے۔ اک شاعر صاحب مسند پر تشریف لاتے ہیں اور غزل پڑھتے ہیں محفل میں خاموشی طاری ہو جاتی ہے۔ عالم تموّج مبدّل بہ حالت سکون ہو جاتا ہے۔ حاضرین گوش بر آواز ہو کر سنتے ہیں لیکن پنڈال کے عقب سے آواز سنائی نہیں دیتی۔ سامعین خواہش کرتے ہیں کہ مسند مرکزی مقام پر رکھی جاوے یا بلند آہنگی سے پڑھا جائے چونکہ حالات اسکے مقتضی نہیں ہیں کہ مسند مرکزی مقام پر رکھی جاسکے اسلئے یہ انتظام کیا گیا ہے کہ بلند آہنگی سے پڑھا جائے اور مصرعہ اٹھائے جائیں۔ تاکہ دور دراز گوشوں تک آواز سنائی دے سکے۔ لیجئے یہ شکایت بھی رفع ہوئی۔

اب شائقین نہایت اطمینان اور سکون کیساتھ شعراء کا کلام سننے میں مصروف ہیں یا یوں کہئے کہ شعراء اپنے خزائن ادب کے جواہر ریزے لٹا رہے ہیں اور شائقین انکو اپنے دامن فہم میں سمیٹ رہے ہیں۔ بزم مشاعرہ کے سکرٹری جناب پنڈت کیلاش نراین صاحب کول بیدل بی اے ایل ایل بی نے ترتیب شعرا کی خدمت اپنے ذمہ لی ہے۔ اور اس خوبی کیساتھ اس خدمت کو انجام دے رہے ہیں کہ کسیکو شکایت پیدا نہیں ہوتی۔ چند احباب کا اصرار ہے کہ بیرونجات کے کلام شروع کئے جائیں لیکن یہ کہاں ممکن۔ آداب مشاعرہ سے واقف احباب جانتے ہیں کہ ترتیب شعرا کیونکر ہوا کرتی ہے غرض مشاعرہ اپنی معمولی رفتار میں جاری ہے اور ہر شاعر اپنی غزل نئے انداز میں پڑھتا ہے۔ تحت اللفظ پڑھنے والے اصحاب کا کلام بوجہ مصرعہ اٹھائے جانے کے

جملہ حاضرین کیخدمت میں پہونچ رہا ہے۔ لیکن ترنم میں پڑہنے والے اصحاب کیلئے یہ ممکن
نہیں کہ انکے مصرعے اٹھائے جاسکیں۔ ترنم خود ایک ایسا دلچسپ پیرایہ پڑہنے کا
ہے۔ کہ حاضرین کو متوجہ کرلیتا ہے۔ اور پڑہنے والے کیلئے زیادہ خراج تحسین حاصل کرتا
ہے۔ یوں تو جملہ حاضرین پڑہنے والونکو بقدر فہم داد دے رہے ہیں لیکن مشاعرے
میں چند ہستیاں ایسی بھی ہیں جنکی تحسین اور نعرونکی آوازیں کل محفل کی تعریف و
تحسین پر غالب آرہی ہیں۔ سب سے اول قابل ذکر ایک صاحب ہیں جنکو سخن فہمی میں بہت
غلو ہے ہر شعر پر سبحان اللہ واللہ فرما دیا کرتے ہیں اور اس درجہ کوشش وکد فرماتے
ہیں کہ ایک سانس میں پچاس مرتبہ سبحان اللہ واللہ کہہ ڈالتے ہیں اور اُنکے
نزدیک اچھے شعر کا معیار یہ ہے کہ ادق ہو اور سمجھ میں نہ آوے اور جو فہم میں آسانی
آگیا وہ شعر انکی نظر میں بے وقعت ہوجاتا ہے ایک اور صاحب ہیں جنکو قدرت
نے ضبط و سکون کا حصہ کم دیا ہے اسمیں شک نہیں کہ وہ صحیح معنوں میں سخن فہم ضرور
ہیں لیکن جس غزل پر جو کسی اعتبار سے کم ہو یہی نہیں کہ وہ خاموش رہیں بلکہ
اصرار فرماتے ہیں کہ مقطع عنایت فرمائیے۔ چنانچہ ایک نوخیز شاعر تو بُرا ہی مان گئے
اور غزل ادہوری چھوڑ کر مسند سے اُٹھ گئے۔ ایک اور صاحب ہیں جنکو بآواز بلند
داد دینے کی اچھی مشق ہے۔ اور اول الذکر صاحب کی داد سے کیطرح پیچھے رہنا
نہیں چاہتے اور اکثر انکی واہ واہ ماشاء اللہ اول الذکر صاحب کی واللہ اور سبحان اللہ

پر غالب آجاتی ہے۔

یہ لیجئے مقامی غزلیات ختم ہوئیں۔ اصحاب بیرونجات نے اپنا کلام پڑھنا شروع کردیا محفل گرم ہونے لگی۔ سامعین نے کروٹیں بدلیں۔ شائقین کا شوق جو اُن کے دلوں میں سو گیا تھا بیدار ہوا۔ میر مشاعرہ جناب ساحرؔ صاحب بلوی نے سحر آمیز الفاظ کیساتھ محفل کو متوجہ کیا۔ شاعروں کی ترتیب دی افضل صاحب میرٹھی نے خوب غزل پڑھی خراج تحسین حاصل کیا۔ جناب تسکین بلند شہری کی غزل بہت مقبول ہوئی۔ اعلیٰ تخیل کیساتھ لطفِ کلام بھی تھا۔ حضرت ناؔنک لکھنوی نے اپنے خاص رنگ میں غزل پڑھی بوجہ ناخواندہ ہونیکے صحت لفظی تو نہ تھی اور سب کچھ تھا۔ زبان محاورات۔ معانی و مطالب کے اعتبار سے مرصع غزل تھی۔ عیاںؔ صاحب کی غزل تو حاصل مشاعرہ رہی پڑھنے کے انداز نے سامعین پر وجدانی کیفیت طاری کردی۔ اعلیٰ مضامین اور انوکھے تخیل کیساتھ لطف زبان کی چاشنی بھی تھی۔ بزمؔ صاحب اکبرآبادی نے بوجہ ناسازی طبع صرف چار اشعار پڑھے جو پسند محفل ہوئے۔ شوخؔ صاحب کی شوخی کلام نے محفل کو تڑپا دیا۔ فداؔ صاحب کی غزل اعلیٰ تخیل اور فلسفیانہ مضامین کا اک نمونہ تھی جو اُنکے قادرالکلام ہونیکا ثبوت دیتی تھی۔ برقؔ صاحب کی غزل نے قلبِ محفل میں برقی اثر پیدا کردیا۔ ندرت مضامین۔ جدتِ تخیل۔ لطف زبان کیفیات وجذبات کا سرچشمہ تھی ناصرؔ صاحب خلف ثاقب صاحب لکھنوی کی غزل بھی

حاصل مشاعرہ رہی اعلیٰ جذبات و جملہ محاسن شاعری سے مملو تھی یہ لیجئے ثاقب صاحب بھی مسند بزمِ سخن پر رونق افروز ہوتے ہیں۔ شائقین متوجہ ہوں نادرالکلامی کے جوہر دیکھیں۔ لطف زبان کیساتھ اعلیٰ مضامین بھی ملاحظہ ہوں سبحان اللہ غزل بہمہ وجوہ اعلیٰ شاعری کا نمونہ ہے۔ مشاعرہ صدائے تحسین و آفرین سے گونج گیا ہے اب مشاعرہ قریب ختم ہے۔ محفل جناب ساحرؔ صاحب میر مشاعرہ کی غزل سننے کی آرزو مند ہے۔ ساحرؔ صاحب کے علم و فضل کے حالات سے دنیائے ادب واقف ہے۔ آپ علوم مشرقیہ کے فاضل ہونے کے علاوہ ایک بلند پایہ شاعر بھی ہیں۔ کلام دِقّت پسند اور اہلِ علم ہی کے مذاق کا ہوتا ہے۔ تصوف کے اعلیٰ مضامین جس خوبی سے آپ نے غزل میں ادا فرمائے ہیں وہ ملاحظۂ کلام سے واضح ہوگا۔

۸ بجے شام سے مشاعرہ شروع ہوکر صبح کے چار بجے ختم ہوا۔ حاضرین نہایت سکون کیساتھ آخر وقت تک جمے رہے اور درمیان سے اٹھنے کا خیال تک نہ رہا ورنہ عام طور پر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ آخر حصہ شب میں مشاعروں کا رنگ پھیکا پڑجاتا ہے آخر تک مجمع وہ نہیں رہتا جو شروع میں ہوا کرتا ہے۔ لیکن بخلاف سابقہ تجربوں کے یہ محفل از اول تا آخر یکساں گرم رہی جو اسکی شاندار کامیابی کی دلیل ہے۔

—

ہم جناب پرتاب سنگھ صاحب بہادر سشن جج کے بہت شکر گذار ہیں کہ انہوں نے

اس موقعہ پر پورے ذوق علمی اور انہماک کیساتھ شرکت فرماکر مشاعرہ کو زینت بخشی انکے علاوہ دیگر اصحاب ذوق کی قدردانی کا بھی ہم شکریہ ادا کرتے ہیں، بالخصوص جناب رکن الدولہ شمشیر جنگ نواب سجاد علیخانصاحب جناب نواب اعجاز علیخانصاحب وجناب حافظ عبدالحی صاحب رئیس پور قاضی کا جنکی اعانت وہمدردی نے اس بزم ادب کو کامیاب بنایا۔

آخر میں ہم جناب بیدل صاحب سکرٹری بزم مشاعرہ کیخدمت میں مبارکباد پیش کرتے ہیں کہ انکی کوشش مشاعرہ کے کامیاب بنانے میں بارآور ہوئی جسکے لئے میں بجانب کمیٹی مشاعرہ ہدیہ تشکر وامتنان پیش کرتا ہوں۔

سید نثار حیدر زیدی قیصر

مکرر

افسوس ہے کہ سہواً جناب لالہ دہوم سنگھ صاحب رئیس اعظم مظفرنگر کی غزل کے متعلق تنقید کرنا رہگیا۔ اگرچہ اس رسالہ کی ترتیب میں اس کا انتظام رکھا گیا ہے کہ کسی شاعر کے گیارہ سے زائد اشعار شائع نہ کئے جائیں لیکن صاحب موصوف کی دو غزلیات جنمیں گیارہ گیارہ اشعار ہیں شائع کیگئی ہیں ہم حیران تھے کہ انتخاب کیونکر کریں، ہر شعر دوسرے پر فوقیت رکھتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ انتخاب کرنیوالے کی ایسے نازک کام میں بڑی ذمہ داری ہے۔ بالآخر اسکا حل یہی سمجھ میں آیا کہ جملہ اشعار

بجنسہ ہدیہ ناظرین کردئے جاویں۔ اور انتخاب کا فیصلہ سخن فہم اصحاب پر موقوف رکھا جائے۔

جناب لالہ دہوم سنگھ صاحب کی مشہور و معرکۃ الآرا (رج) سے مملو نظم ہم یہاں ضرور اہل ذوق کے تفنن طبع کیلئے شائع کرتے لیکن چونکہ نظم طرح میں نہیں تھی اسلئے مجبوری ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ جناب لالہ دہوم سنگھ صاحب اسکو جداگانہ رسالہ کی شکل میں معہ فوٹو شائع فرماکر ذوق ادب پر احسان فرماوینگے (رج) کے رنگ میں آپنے اپنی غزلیات میں سے ایک غزل میں دو شعر فرمائے ہیں جن کو پڑھکر سخن فہم اصحاب بہت محظوظ ہوں گے۔

(قیصر)

نوٹ منجانب سکرٹری | میں جناب قیصر کی اعلیٰ انشا پردازی و دلفریب مضمون نگاری کی تعریف کرنے سے قاصر ہوں

آپ کے مقدمہ کا شکرگذار اور آپ کے اشفاق و عنایات کا ممنون ہوں امسال واقعی بزم مشاعرہ ہر پہلے سال کی نسبت اعلیٰ پیمانہ پر ہوئی۔ قارئین پر پوشیدہ نہ رہے کہ اس رونق و عمدگی کا بیشتر باعث خود جناب قیصر کی توجہ و امداد تھی۔

قریب قریب تمام برگزیدہ رؤسا ضلع و بیرونجات جو اس شب مظفر نگر میں قیام پذیر تھے۔ رونق افزائے بزم تھے۔ راجہ صاحب جنگا دہری۔ خان بہادر سید مظفر علیخاں صاحب۔ رائے بہادر لالہ جگدیش پرساد صاحب ایم۔ ایل۔ سی۔

سردار محمد اکرم خانصاحب۔ راؤ عبدالحمید خانصاحب۔ لالہ آنند سروپ صاحب۔ سید حسن علیخانصاحب و لالہ ہر پرانج سروپ صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل بی و دیگر روسا و اکثر حکام ضلع و مشتیر وکلا سنے علاوہ معززین ضلع کے شرکت بزم فرما کر کارکنان کی حوصلہ افزائی فرمائی تھی۔

جناب ساحر دہلوی نے جو مربیانہ امداد فرمائی اُس کا میں تہ دل سے مشکور ہوں

بندہ کیلاش نرائن کول۔ مورخہ ۱۹ مئی ۲۸ء

قیصر جناب سید نثار حیدر صاحب زیدی ڈپٹی کلکٹر مظفرنگر

اچھا یہ میرا اُنکا باہم مقابلہ تھا — وہ جور آزما تھے میں ضبط آزما تھا

حسنِ ازل کا نقشہ آنکھوں میں کھینچ رہا تھا — ہر ذرّہ معرفت کا دفتر بنا ہوا تھا

ان ساغروں میں کوئی کیا جانے کیا بھرا تھا — جسکو ادا سے دیکھا بیخود بنا دیا تھا

مفہوم دہرِ فانی ہم آجتک نہ سمجھے — دھوکہ نگاہ کا تھا یا کوئی شعبدہ تھا

تھیں حالتیں جو انکی اک دوسرے پہ روشن — وہ میرے آئینہ تھے میں انکا آئینہ تھا

دنیا میں سب انہیں کی نیرنگیاں ہیں ورنہ — تفریقِ رنگ و بو میں انساں بھٹک گیا تھا

اللہ رے اضطرابِ حسرت نصیب دل کی — فرقت کی داستانیں دشمن سے کہہ رہا تھا

بحرِ فنا میں ایسا ڈوبا کہ پھر نہ ابھرا — نقشِ وجود اپنا پانی کا بلبلہ تھا

اے ناشناس ہستی اسکی بھی کچھ خبر تھی | اس پردۂ بقا میں رازِ غمِ فنا تھا

بزمِ جہاں میں لے دل دیکھا نہ خوش کسیکو | گریاں اگر تھی شمع پروانہ جل رہا تھا

فکرِ سخن ہے گرچہ عرصہ سے بند قیصر | ہے نذر دوستوں کی جو کچھ برا بھلا تھا

جوہر۔ جناب سید جرار حیدر صاحب خلف جناب سید نثار حیدر صاحب رضا زیدی

دنیا کے مخمصوں سے کیا اسکو واسطہ تھا | نا آشنا تھا سب سے جو تیرا آشنا تھا

ناوک میں اسکے کوئی کیا جانے کیا مزا تھا | ہر زخم دل سے پیدا اک شورِ مرحبا تھا

کس کس ادا سے ظالم مقتل میں آرہا تھا | تیور چڑھے ہوئے تھے خنجر تُلا ہوا تھا

کل میکدہ میں اسکی رندوں سے خوب ہوتی | اچھا ہوا جو زاہد غصہ کو پی گیا تھا

اللہ رے شوقِ شیریں جاں کوہکن نے دیدی | وہ جلوہ حُسن کا تھا یہ سحر عشق کا تھا

سایہ سے بھی وہ اپنے تھا بدگماں یہاں تک | ہر ہر قدم پہ ظالم پھر پھر کے دیکھتا تھا

اک تم کہ ابتدا سے آمادۂ جفا تھے | اک میں کہ جو ازل سے دلدادۂ وفا تھا

چلتے ہو کس لئے تم دامن جھٹک جھٹک کر | کیا کوئی فتنہ زیرِ دامن چھپا ہوا تھا

معدوم تھا وہ قطرہ دریا سے جو الگ تھا | برباد تھا وہ دانہ خرمن سے جو جُدا تھا

دنیا میں ہمنے رہکر اچھا بُرا نہ جانا | آنکھوں پہ بیخودی کا پردہ پڑا ہوا تھا

تسکینِ دل کی خاطر کافی تھا یہ بھی جوہر | وہ کاش پوچھ لیتے کیا تیرا مدعا تھا

نوٹ:۔ غزلیات بالا صفحہ ۱۱ و ۱۲ کو کارآمد کرنے کے لئے درج کی گئی ہیں (بیدل

ہر شے کی بے ثباتی فصل یہ کہہ رہی تھی ۔ دنیا کا کارخانہ پانی کا بلبلہ تھا

اخگر۔ جناب منشی آل محمد صاحب اکبرآبادی ریلوے اسٹیشن غازی آباد

صیاد صبح تنہا اسوقت جی میں کیا تھا ۔ جب ہاتھ میں چھری تھی اور مجھکو دیکھتا تھا

طاقت تھی ایک جبکا اسدم بھی آسرا تھا ۔ جب تھی بھنور میں کشتی چکر میں ناخدا تھا

موت اور بھری جوانی مجبور ہوگیا تھا ۔ کیا پوچھتے ہو کیوں میں اک اک کو دیکھتا تھا

چشم زدن میں بدلی کسطرح اسکی دنیا ۔ بیمارِ غم ابھی تو کروٹ بدل رہا تھا

سمجھے غلط جو سمجھے انکے ستم کا شکوہ ۔ نکلی جو آہ منہ سے فطرت کا اقتضا تھا

راہ طلب میں کیونکر میں نیک بد سمجھتا ۔ آنکھوں کے سامنے تو پردہ پڑا ہوا تھا

صحبت سے دختِ رز کی کیا کیا کھلے ہیں عقدے ۔ جبتک نہ دسترس تھا ہر شخص پارسا تھا

آنکھیں کہاں سے لاتا کوئی یہ دیکھنے کو ۔ روتی تھی شمع محفل پروانہ جل رہا تھا

روداد قید ہمکو گو محو ہوگئی ہے ۔ پھر بھی ہے یاد اتنا موسم بہار کا تھا

تھی رات ایک لیکن کیفیتیں جدا تھیں ۔ وہ محوِ خواب راحت یاں دم نکل رہا تھا

اظہار ہو سکا کب شعر و سخن میں اخگر ۔ دل میں رہا وہ میرے جو دل کا مدعا تھا

بزم ۔ جناب مرزا عاشق حسین صاحب آفندی اکبرآبادی

موسیٰ کو منہ دکھایا ۔ موسیٰ میں ایسا کیا تھا ۔ سب ہی سے پردہ کرتا پردے میں گر چھپا تھا

قسمت پہ آئینہ کی کیا رشک آ رہا تھا
کیا جانے کس نظر سے وہ انکو دیکھتا تھا

ناکامیوں کے قرباں محرومیوں کے صدقے
جو عمر بھر نہ نکلا وہ میرا مدعا تھا

اے چرخ اور بھی تو اللہ کے تھے بندے
ظلم و ستم اٹھانے اک میں ہی رہ گیا تھا

برق - جناب محمد علی حسین خانصاحب رئیس و میونسپل کمشنر شاہجہانپور

ور آزما تھا کوئی، میں ضبط آزما تھا
ہمت نے بات رکھ لی گو معرکہ بڑا تھا

اے بیخودی یہ کیا تھا پہلو جو پر ضیا تھا
جلوے تھے میرے دل کے یا حسن دلربا تھا

ر انگہ سے لب سے زندہ کیا یہ کیا تھا
بولے کہ تھا وہ جادو یہ ایک معجزا تھا

ہ روز حشر مجھکو وعدہ پہ ٹالتا تھا
دھوکا میں کیسے کھاتا دھوکا کھلا ہوا تھا

اے عشق تیری صورت ہر جا جدا جدا تھی
پہلو میں شکل دل تھا آنکھوں میں لڑ رہا تھا

ذر بات دل نے کیا کیا نیرنگیاں دکھائیں
وہ مجھکو ڈھونڈھتا تھا میں جسکو ڈھونڈھتا تھا

س چشم خونفشاں سے بیکار بدگماں ہو
تصویر میں تمھاری میں رنگ بھر رہا تھا

ں پھر دل و جگر کیا کرتا تھا محو حیرت
ہاں پھر اسی ادا سے اکبار دیکھنا تھا

شیب کیوں نہ ہوتے نقش و نگار ہستی
رنگت بدلنے والا رنگت بدل رہا تھا

ہرا ثبوت وحشت اک جامہ کیوں نہ دیتا
نکلا ہوا گریباں دامن پھٹا ہوا تھا

یری لحد پہ آکر اے برق اس کا کہنا
اے میرے مرنے والے کیا تیرا مدعا تھا

اے ناشناسِ ہستی! کیا تجھکو ہو گیا تھا
اب بھی تو ہی خدا ہے جب بھی وہی خدا تھا

تفسیرِ ہر دو عالم، اک قطرۂ قضا تھا
رازِ طلسمِ ہستی سمجھا تو مر چکا تھا

کھلتے ہی آنکھ لاکھوں پابندیاں لگا دیں
میرا وجود گویا اک جرمِ ناروا تھا

اک لمحہ زندگی کا گذرا ضرور لیکن
جیسے قضا تھی ہم میں ہر جان سے خفا تھا

رہینِ نیازمندی ہم ہیں کہ اب تک ہیں
بندہ کی تھی خدائی، کیا بندہ خدا تھا

مرنے پہ کچھ حقیقت داغِ جگر کی چمکی!
یہ وہ دیا تھا جس میں جو رات بھر جلا تھا

تمنّاؔ۔ جناب محمد یونس صاحب بوڑھانوی

مجبورِ التجا تھی، معذورِ مدّعا تھا
ساری خرابیاں تھیں جب بخت نارسا تھا

صیاد کی نظر میں وہ بھی کھٹک رہا تھا
سارے چمن میں تکیہ اک شاخ پر کیا تھا

اک ہم کہ میکدے کے در سے لگے کھڑے تھے
اک وہ کہ جنکو ساقی بھر بھر پلا رہا تھا

ناکامیِ مقدر آخر یہ رنگ لائی
بے آسرا وہ دل ہے جس دل کو آسرا تھا

اس بیخودی کے صدقے اتنا خبر نہ پائی
سجدہ کیا تھا جس پر وہ کس کا نقشِ پا تھا

حسنِ کرم نے تیرا مشہور کر دیا ہے
کس کو مری خبر تھی کس کو مرا پتا تھا

سہتے رہے ہیں اے تمنّاؔ صدمات زندگی کے
ہم وہ دل آشنا تھے دل وہ دل آشنا تھا

ثاقب ـ خدائے سخن جناب مرزا ذاکر حسین صاحب لکھنوی

دل اپنے رنج و غم سے جام جہاں نما تھا
اب آپ ہی بتائیں اچھا تھا یا برا تھا

قبروں پہ آکے پلٹے حسرت ما اہل الفت
کسکو پکارتے وہ مٹی کا نام کیا تھا

اک طرح کی مصیبت ہوتی تو جھیل لیتے
ہر شب نئی زمیں تھی ہر دن فلک نیا تھا

تڑپوں تو راز کھولوں سنبھلوں تو عشق ناخوش
جس حال کو میں سمجھا اچھا۔ وہی برا تھا

پوچھا نہ زندگی میں یا یوں تو کسی نے آکر
مرنیکے بعد جو تھا وہ مجھکو پوچھتا تھا

شب کو مری صدائیں مجھ تک پلٹ کے آئیں
نالوں کی کیا خطا تھی جب بند راستہ تھا

شمعوں نے ہوکے روشن، دلکو تسلیاں دیں
اسکو بچائیں کیونکر جلنے کو جو بنا تھا

اللہ ری رازداری ابتک کھلا نہ ہم پر
غنچوں نے کیا کہا تھا، بلبل نے کیا سنا تھا

محشر کی بے حجابی کی کوئی انتہا ہے
پردے اٹھے ہوئے تھے عالم کا سامنا تھا

افسوس ہے کہ عمر فانی نے ختم ہو کر
مجھکو وہی بتایا جسکو میں جانتا تھا

ڈھونڈھینگی بعد میرے مجھکو چراغ لیکر
وہ محفلیں کہ جنمیں ثاقب غزل سرا تھا

جوہر ـ جناب منشی محمد قاسم علی صاحب جونپوری

وحشت کو پاس تھی نہ دلشوں کا دیکھنا تھا
مجنوں میں کیوں نہ تھا لیلی کا سامنا تھا

خالِ عذارِ جاناں شبنم کبھی پڑا تھا
کیا چاندنی کی صورت لالہ کھلا ہوا تھا

چونکے جو غش سے موسیٰ، دیکھا بصد تحیر
سینے میں وہ خودی تھی نے طور پر خدا تھا

بعدِ فنا بھی ہو تجا غیروں کو فیض مجھ سے
اُن ہڈیوں کو کھا کر محوِ دعا ہُما تھا

اے برق تیرا ہوتا ہیں کیوں رہینِ منت
نخلِ امید اپنا کس دن ہرا بھرا تھا

محشر میں ابرِ رحمت چھایا تھا عاصیوں پر
دامن سنبھالے اپنا زاہد الگ کھڑا تھا

وہ خوابِ شامِ غربت، وہ ناگنوں کا ڈسنا
قیدیٔ دامِ گیسو آفت میں مبتلا تھا

تاثیرِ سوزِ غم نے پھونکا جو آشیانہ
لیجا کے میری ہڈی نادم بہت ہُما تھا

ہیں شاد کام دشمن فیضِ کرم سے تیرے
مشقِ جفا کی خاطر اِک بیوفا بچا تھا

حافظ ـ جناب حافظ خلیل الدین حسن صاحب علیگ آنریری مجسٹریٹ پیلی بھیت

ہم جناب حافظ صاحب کی عطیہ غزل معہ اس مختصر خط کے جو غزل کے ساتھ موصول ہوا، شائع کرتے ہیں، حافظ صاحب کی یہ غزل جس پایہ کی ہے اور جن جذبات اور کیفیات کا یہ سرچشمہ ہے اسکا اندازہ اہل ذوق خود فرمالینگے لیکن حافظ کا خط خود ادب اردو کا بہترین نمونہ ہے اور جو حظ اور لطف اسکے مطالعہ سے حاصل ہوتا ہے اس سے ہم شائقین سخن کو محروم کرنا پسند نہیں کرتے

لہذا اسکو عینہٖ بطور تمہید غزل یہاں درج کرتے ہیں (قیصر)

پہلی بھیت — ۱۰ اپریل ۱۹۲۸ء

والا جناب — آداب — کل اتوار تھا لیٹر بکس کھل چکا تھا کہ والا نامہ ملا یہ سمجھکر اسوقت جواب ملتوی رکھا کہ اگر زندہ رہوں گا تو صبح لکھوں گا آج صبح سے عیادتوں میں پھرتا رہا - ۱۱ بجے دن کے اپنے مکان پر واپس آکر کھانا کھایا - ساتھ ہی جواب کا خیال آیا -

پہلی بھیت کی حالت بوجہ شدت طاعون و کثرت اموات ناگفتہ بہ ہو رہی ہے حواس بجا نہیں ہیں -

آپ غزل مانگتے ہیں میں اپنی غیر حاضری پر سخت نادم ہوں - کیا اچھا موقع اللہ کیسا خوب جلسہ حاضری کا اور آپ سے ملنے کا تھا - مگر اپنی بد قسمتی پر افسوس ہے -

سوچا کہ اب تو وقت بھی مشاعرہ کا نکل چکا اگر امتثال امر پھر بھی ضروری ہے ناچار ارادہ ہے کہ دوسرے ورق پر کچھ اشعار (اگر اسوقت لکھ سکونگا) لکھونگا اتنا یاد ہے کہ سکریٹری صاحب مشاعرہ نے ایک ہی طرح پر فکر کرنے کو لکھا تھا -

نائب تحصیلدار صاحب کے حوالہ پچاس روپے اور دو روپیہ آج نذر خدمت فرمائی یہاں سے معلوم ہوتا ہے - لیجئے کچھ اشعار موزوں ہوتے ہوئے معلوم

ہو چکے ہیں، لہذا عریضہ ختم کر کے آٹھ شعر شروع کرتا ہوں، اور یہ خوب جانتا ہوں کہ پرانی وضع کا کلام، موجودہ آب و ہوا میں سرسبز نہیں ہو سکتا ہے - افسوس کہ مجھ سے پرانی وضع چھوڑی نہیں جاتی - میں تو لکیر کا فقیر ہوں، والسلام

(نیاز مند خلیل الدین حسن)

اس در سے اک جنازہ کیا دھوم سے اٹھا تھا ۔۔۔ یعنی شہید الفت دولہا بنا ہوا تھا

خلوت سرائے دل میں ایک آئینہ تھا ۔۔۔ آ کے خدا ہی جانے اس آئینے میں کیا تھا

پرستش کیواسطے کیا اک میں ہی رہ گیا تھا ۔۔۔ میرے ہی واسطے کیا محشر کا دن بنا تھا

دونوں میں حسن کے پلے باہم پٹ ہی لینگے ۔۔۔ اک سنگ آستاں اک شوریدہ سر کا ماتھا

میری شب مصیبت، کام آئے ہاتھ دونوں ۔۔۔ اک سر کو پیٹتا تھا اک جانب دعا تھا

ہر درد کا مداوا، حق نے کیا ہے پیدا ۔۔۔ جو درد تھا ہمارا - وہ درد لا دوا تھا

پردے میں تیرے سمجھا، کیا جانے کون ہوگا ۔۔۔ اے آسمان! تیرا پردہ تو خوشنما تھا

نالہ جو تھک کے بیٹھا، آہیں کدھر گئی تھیں ۔۔۔ نالہ جو نارسا تھا، آہوں کو کیا ہوا تھا

روٹھے کو کیا منانا - جی میں یہی سمائی ۔۔۔ میں کیوں طواف کرتا کیا سر مرا پھرا تھا

سب مجھکو تک رہے تھے حیرت کو دیکھتے تھے ۔۔۔ کاش اسکو دیکھ لیتے میں جسکو دیکھتا تھا

ارے یہ تو گیارہ شعر ہوگئے زیادہ کی تو اجازت ہی نہیں، مقطع تو باقی ہی رہ گیا لیجئے معمولی مقطع بھی حاضر ہے۔

ساحر کی مہربانی قیصری میزبانی | اُن بدحواس بوڑھا حافظ غزل سرا تھا

آخر وہی ہوا، غزل خود مجھی کو ناپسند اور سب کو ناپسند ہو تو حق انکی جانب یہی کیجیے کہ یہ ورق الگ کر کے۔ چاک کر دیجیے۔ ورنہ مجھکو ایک نقل اسکی بھجوا دیجیے۔ اسل مسودہ یہی ہے۔

(خلیل الدین حسن)

سرخوش۔ جناب مولوی بنے خانصاحب ہیڈ مولوی گورنمنٹ ہائی اسکول مظفرنگر

مانا کہ اے برہمن کعبہ صنم کدہ تھا | لیکن تیا صنم کے پردہ میں تیرے کیا تھا
ہر آن برق سینا تھی جلوہ ریز دل پر | رخسار اس صنم کا اک طور حق نما تھا
تاثیر اس نگہ کی سرخوش سے کوئی پوچھے | ہر وار اک قیامت ہر تیر بے خطا تھا

ساحر۔ جناب پنڈت امرناتھ صاحب ساحرؔ دہلوی ریٹائرڈ تحصیلدار

عالم میں ہست مطلق شاہد بنا ہوا تھا | بے طرفہ ماجرا تھا بیرنگ با سوا تھا
جسدم نشانِ ہستی نورِ قدم بنا تھا | لاجنب ولا تغیر ایک جلوہ لقا تھا
شاہد علیم ہو کر بزم ازل میں آیا | جو بے ہمہ ہمہ تھا اب باہمہ ہوا تھا
واحد ہوا مثنی ذات و صفات بنکر | وہ جلوہ تھا سکوں کا یہ اضطرار کا تھا
تھا علم ذاتِ شاہد قایم محیط و روشن | علم صفات نقش نیرنگی و فنا تھا

حادث ہوا جو آکر حسنِ قدیم کا جلوہ | حسنِ علیم یکتا تثلیث بنگیا تھا
کی سلسلہ تھا قائم پیدائش و فنا کا | پیدائش و فنا میں جلوہ حیات کا تھا
یہ جسکو مانتے ہیں ہم سب حیات اپنی | شاہد کا حسن یکتا جلوے میں آگیا تھا
ہمکو انانیت نے دیکھا ہی غیر اُس سے | نامحرمی سے پردہ آنکھوں پہ پڑ گیا تھا
قدرت کا اک کرشمہ کونین کا ہے جلوہ | نیرنگیوں نے جسکو دلکش بنا رکھا تھا
منزل کہ یقین تھا ساحر وہ حسنِ یکتا | خضرِ رہِ حقیقت عشقِ شکستہ پا تھا

اس غزل میں اہل تصوف نے جو مدارجِ نزول تسلیم کئے ہیں بیان ہوئے ہیں۔ شاہد۔عین علم۔علیم۔بے ہمہ و باہمہ۔ذات و صفات۔سکون و اضطراب علم ذات و علم صفات حسن قدم و جلوہ حدوث۔سلسلۂ پیدائش و فنا۔انکا مدار حیات پر۔عالم میں شاہد مطلق کا ہست مطلق ہونا۔اور توحیدِ خالص۔غیریت کا موجب انانیت ہے۔قدرت کا کرشمہ۔جلوہ کونین۔جو دلآویزی کا موجب ہے۔یقین کی بزرگی اور اسکی تکمیل کا وسیلہ۔دکھائے گئے ہیں

شوخ جناب ڈاکٹر سید سخاوت علی صاحب جعفری اکبرآبادی جانشین جناب رئیس مرحوم

اُس سے ہی لو لگی تھی اُسکا ہی آسرا تھا | کون اور تھا شبِ غم بندہ تھا یا خدا تھا

میں نے دل ہی دل میں کچھ ان سے کہا تھا
اور وہ سمجھے ہوئے تھے جو میرا مدعا تھا

دل نذر کر کے میں نے تیور تھمائے دیکھے
صدقے تیرا میں نگہ کے اتنا ہی دیکھنا تھا

دنیا کو کیوں نکر آئے انداز بے وفائی
تم باوفا اگر تھے پھر کون بے وفا تھا

خوش قسمتی سے انکی میری بری تھی قسمت
ورنہ وہ کب بھلے تھے ایسا میں کب برا تھا

حسرت بھری نظر بھی اک ترجمان دل تھی
لب تھے خموش لیکن مطلب ادا ہوا تھا

مرنا مریض غم کا اور ایسی بیکسی میں
تم خود دوا تھے جسکی وہ درد لا دوا تھا

مرنیکا میرے صدمہ انکو ہوا تو اتنا
چپ ہوگئے وہ کہکر یہ شخص باوفا تھا

تجھسے خطا ہوئی ہے مجھکو معاف کرنا
تم میری جان نکلے میں جان سے خفا تھا

اس شان کے ہیں قرباں [illegible] سے وہ آئے
رکھا قدم زمیں پر اور دیں نقش پا تھا

شکوے گلے [illegible] سے چھوٹے
فرمایا جو انہوں نے اے شوخ وہ بجا تھا

شوق - جناب فقیر اللہ صاحب میرٹھی

اے میرے حسن [illegible]
[illegible] اور خود [illegible] تھا

خود زندگی نے ہمکو دنیا سے کھو دیا تھا
اسکی تلاش کیسی اپنا کسے پتا تھا

جب تک دل ملے تھے الفت میں کچھ مزا تھا
وہ مجھکو ڈھونڈتے تھے میں انکو ڈھونڈتا تھا

تیری تلاش مجھکو لے آئی میرے دل تک
دیر و حرم میں تجھکو [illegible] ڈھونڈتا پھرا تھا

بسمل کے دل کی حسرت کن سختیوں سے نکلی
خنجر تھا کند اسکا اور ہاتھ کانپتا تھا

منصور اور انا الحق، پھر دار کی سزا بھی
قصہ وہ اور ہی تھا کچھ اور ماجرا تھا

معشوق میہماں ہو عاشق کا غیر ممکن
سامان یہ مہیا قسمت نے کر دیا تھا

ٹھکرا نہ میری تربت، اترا کے چلنے والے
تیری ہی طرح میں بھی، اک بندۂ خدا تھا

کیا کیف اسکو ہوتا دنیا کے میکدہ میں
جو بادۂ ازل سے سرشار ہو چکا تھا

اے جذبۂ تصور اللہ رے تیری قدرت
قرب بہم کا باعث، کوسوں کا فاصلہ تھا

اے شوق میری اسکی یکرنگیاں نہ پوچھو
یہ جان لو دوئی کا پردہ اٹھا ہوا تھا

شاطر - جناب بچولال صاحب شرما شاہجہانپوری متعلم نارمل اسکول مظفرنگر

بیٹھے وہ ہنس رہے تھے میں غم سے رو رہا تھا
بجلی چمک رہی تھی پانی برس رہا تھا

گردن تھی زیر خنجر اور لب پہ مرحبا تھا
یہ میرے دل کی ہمت یہ میرا حوصلہ تھا

فرقت میں جوش وحشت اتنا بڑھا ہوا تھا
میری نظر میں صحرا ایک باغ دلکشا تھا

ہمکو تیری طلب تھی ہو جا کئے تجھی کو
پردے میں ان بتوں کے تو ہی چھپا ہوا تھا

مرتے تھے کس خوشی سے الفت میں مرنے والے
مرنے میں زندگی تھی جینے میں کیا مزا تھا

دم لب پہ تھا ہمارا پھر بھی کھلی تھیں آنکھیں
آنے کا اسکے شاید اب بھی کچھ آسرا تھا

شمیم ۔ جناب سید شمیم احمد صاحب ساکن قصبہ نہٹور ضلع بجنور

مشقِ ستم کا تو وہ دلکو بنا رکھا تھا
نالہ نہ تھا ہمارا، اک ناوکِ قضا تھا

کعبہ میں اُن بتوں کا پہلے سے تھا تسلّط
زاہد بتوں سے راضی شاید تیرا خدا تھا

بوسہ کی کب ہوس تھی یاں دل میں تھی وہ پرور
کچھ اور آرزو تھی کچھ اور مدعا تھا

یاں دستِ آرزو تھا گستاخیوں پہ مائل
واں نیند کا تقاضہ آنکھوں میں رو نما تھا

اُسنے تو تیر مارے دلبر شمیم لیکن
آخر رہا وہ ہو کر قسمت کا جو لکھا تھا

عیاں جناب مولوی سید ضیاء الاسلام صاحب بی اے ایل ایل بی وکیل ہائیکورٹ میرٹھ

باطن تو ایک ہی تھا ظاہر جُدا جُدا تھا
تھا حُسن اصل آیت عشق اُسکا ترجُمہ تھا

فرقت کی داستانیں دنیا سے کہہ رہا تھا
آنسو نہ تھا پلک پر جام جہاں نما تھا

کیا جانے پھر ہوا کیا اتنی تو بس خبر ہے
آنکھیں لہا اُٹھی تھیں پردہ وہاں اُٹھا تھا

کنجِ قفس سے چھٹکر واپس نہ آسکا پھر
یا رب وہ کیا گھڑی تھی گلشن سے جب چلا تھا

وہ بیکسی وہ کوشش وہ سختیاں وہ بندش
سر کوئی پھوڑتا تھا در بند ہو رہا تھا

مظلومِ شامِ غربت کب تیری جان نکلی
گردوں پہ نجم آخر جسوقت ڈوبتا تھا

وہ عہد وقتِ رخصت اب حشر ہے بنا ہو | میں بیخبر دم بخود تھا تم نے بھی کچھ کہا تھا
صیاد قید اب کیا دم تو تبھی نہ نکلا | آنکھوں سے دیکھتا تھا اور گھر اجڑ رہا تھا
میں ورنہ پائم دنیا مجبور تھا عیاں دل | انکی خوشی تھی ورنہ جینے میں کیا دھرا تھا

فدا - جناب سید عبدالوحید صاحب ساکن گلاوٹھی ضلع بلند شہر

آوارۂ فنا کا خلوت میں کیا پتہ تھا | دل تجھسے پہلے انکے جلووں میں کھو گیا تھا
کھلتے ہی آنکھ ازل میں دلدادۂ فنا تھا | نقش نمود میرا کتنا گریز پا تھا
جلووں کا اپنے دل بھی خود آئینہ نما تھا | طوطی میرے چمن کا کعبہ میں بولتا تھا
دو ہستیاں یہی تھیں دنیائے بندگی میں | میرا نشان سجدہ یا انکا نقش پا تھا
اتنے حجاب میں بھی دلکش رہیں ادائیں | پردہ میں پردہ والا بے پردہ بولتا تھا
اسکو نہ پڑھ سکیں یہ تقدیر بلبلوں کی | پھولوں کی پتیوں پر سب کچھ لکھا ہوا تھا
اٹھی جو میکدہ میں اک موج بے حجابی | ہر ذرۂ تعین مست مئے ادا تھا
آنکھوں سے چھپ کے آیا پردہ میں بیخودی کے | میرا خمار دل بھی کس درجہ پارسا تھا
غنچوں کا بھید تو ہی بادِ صبا بتادے | انکا لبِ تبسم کیا تجھ سے کہہ رہا تھا
اب اس سے اور بڑھ کر کیا ہوتی پردہ داری | آنکھوں کا میرے دلپر پردہ پڑا ہوا تھا
صورت بدل گئی ہے شوقِ فنا میں ورنہ | اب بھی وہی فدا ہے جب بھی وہی فدا تھا

طاعت گذار حق تھا کہنے کو تیرا عاشق
دل میں تھی یاد تیری لب پر خدا خدا تھا

ذرہ تھا جو زمیں کا تھا آفتاب مجھکو
اُس ماہرو کا نقشہ جب دل میں بس رہا تھا

فرقت کی رات کیونکر کٹتی ہے کون جانے
ہمدم یہ پوچھنا تھا تو مجھسے پوچھنا تھا

کچھ حد ہے اس ستم کی کچھ حد ہے اس جفا کی
وہ بیٹھے دیکھتے تھے بسمل تڑپ رہا تھا

آنا ادھر تو جانا ٹھکرا کے میری تربت
میں تجھپہ جو مٹا تھا ہاں اسلئے مٹا تھا

آباد دل کو کیجیے برباد دل کو کیجیے
یہ اب بھی آپکا ہے پہلے بھی آپکا تھا

لاکھ ہاتھ پاؤں پیٹے لاکھ ہمنے کوششیں کیں
ہو کر رہا وہ اے گل قسمت میں جو لکھا تھا

نانک - جناب نانک چند صاحب لکھنوی

ہر لحظہ حال عالم سب مجھپہ آئینہ تھا
پہلو میں دل نہیں تھا جام جہاں نما تھا

وہ چل بسا جہاں سے جو خون رو رہا تھا
ہنستا نہ تھا تمھارا اک ناوک قضا تھا

اُس سرزمیں کے ذرے ہیں نور پیرا اب تک
بے ہوش نے تمھارے سجدہ جہاں کیا تھا

برباد کن ہوائیں دنیا میں چل رہی تھیں
دلکی تباہیوں کا کچھ ذکر ہو رہا تھا

تیر قضا نے آکر الفت کی شرم رکھ لی
پیمانہ صبر کا اب لبریز ہو چکا تھا

خاک گریز پا سے اُٹھکر مرا بگولہ
بربادی جہاں کی تصویر کھینچتا تھا

یاں ذات عشق فانی واں حسن جلوہ دانی
موسیٰ نہ سمجھے اتنا کس سے مقابلہ تھا

خود ہم ہی ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں کہہ رہے تھے
حال دل شکستہ کب کوئی پوچھتا تھا

اک جلوہ دیکھتے ہی پابند بندگی ہے
جو دل مئے خودی سے سرشار ہو رہا تھا

تقدیر کا تھا کھلنا آنکھوں کا بند ہونا
ناکام کامیاب دیدار ہو رہا تھا

یہ ہے خلوص ہدیٰ ناتک جو میہماں ہوں
ورنہ مجھے بلانا یہ کس کا حوصلہ تھا

نقی - جناب سید محمد نقی حیدر صاحب متوطن نہٹور ضلع بجنور

چاہا تھا دل نے تمکو اُسکا قصور کیا تھا
انصاف سے کہو تم وہ قابل سزا تھا

دل کیا دیا کہ غم کی پیچھے پڑیں بلائیں
پیش آ گیا وہ آخر قسمت میں جو لکھا تھا

خط کو بغور پڑھکر سوچا تو تمنے ہوتا
کیا میری آرزو تھی کیا دل کا مدعا تھا

میں آج خشک اُسکو اے آہ دیکھتا ہوں
نخل امید میرا کل تک ہرا بھرا تھا

جب اے نقی میں پہونچا بیٹھے تھے وہ اکیلے
افسوس خامشی پر ہنگام التجا تھا

ناصر - جناب مرزا ناصر حسین صاحب متعلم یونیورسٹی کالج لکھنؤ

روح روان عالم، عشق جنوں فزا تھا
خود اک مرض تھا لیکن ہر درد کی دوا تھا

نکلا تھا دل سے لیکن ہر نالہ نارسا تھا
اے وائے نامرادی، تیرا علاج کیا تھا

روداد شام فرقت بسمل وہ کیا بتاؤں
اک درد تھا جگر میں وہ درد بھی جانگزا تھا

محشر میں پوچھ مجھسے اُس سے نہ پوچھ یارب
وہ بھولنے کا عادی ہیں ذکرِ تمنا تھا

شاخوں کے چند تنکے شبنم کے چند قطرے
ہر پھول کے ورق پر قصہ مرا لکھا تھا

اب طولِ شامِ فرقت کا بار کون اٹھائے
جب آفتاب ڈوبا - دل ختم ہو چکا تھا

کس طرح زندگی بھر جو لیسے وہوانث اٹھاتا
ہر کشتِ مدعا پر اک صاعقہ گرا تھا

رازِ محبتِ دل یوں پھیلنے نہ پایا
کہتا کسی سے کیا جب کوئی نہ پوچھتا تھا

دو دن چمن میں رہکر صیاد کے گھر آیا
تنکوں کا اک مکاں بھی میرے لئے سرا تھا

کیا دخل تھا خوشی کا میرے دلِ حزیں میں
پہرے تھے رنج و غم کے مسدود راستا تھا

تھا جس جگہ اُسیکو ناصرؔ ڈبو کے چھوڑا
وہ جوشِ غم جو میرے دل میں بھرا ہوا تھا

واجد - جناب مولوی واجد حسین صاحب ہیڈ مولوی ڈی اے وی ہائی اسکول مظفرنگر

قطرہ مرے لہو کا عنوانِ صد فنا تھا
اس ابتدا میں پنہاں مقصودِ انتہا تھا

افتادگی نہ پوچھو پردے میں تھے وہ نقشے
دامن تھا بیخودی کا بیہوش رہگزا تھا

ظلمت تھی ابتدا میں ظلمت ہے، انتہا میں
کچھ بھی ہوا نہ ظاہر ہم کیا تھے اور یہ کیا تھا

کھولا ہے راز قاتل کی خوبیِ جاں نوازی
گردن کی رگ تھی عقدہ خنجر گرہ کشا تھا

قسمت کی تھیں لکیریں سب پُرشکن جبیں پہ
ظاہر ہر اک ادا سے سرنامۂ قضا تھا

ناوک فگن ہزاروں، ہے ایک دل نشانہ
یہ نقطۂ سویدا - کسدرجہ خودنما تھا

بتلا رہا ہے ہمکو شامِ عدم کا رستہ — بھولا ہوا سحر کا شاید کہ رہنما تھا

تھے کشتگانِ حسرت بیچ انکا بتوں میں — قاتل کی ہر ادا میں مستور خوں بہا تھا

کم طاعتی نے بخشا مجھکو ثوابِ واجد — جو سہو ہو گیا تھا وہ سجدہ بے ریا تھا

پہلو بتا رہے تھے بسمل کی کروٹوں کے — بے چینیاں کہاں تھیں اظہارِ مدعا تھا

ہمدم ۔ جناب پنڈت کنور گوری پرشاد صاحب اکبر آبادی

طوفان تھا غضب کا، گرداب میں پھنسا تھا — میرا جہازِ ہستی رہ رہ کے ڈوبتا تھا

دریائے خوں رواں تھا دل میرا ڈوبتا تھا — کشتی تھی ٹوٹی پھوٹی ۔ بیدرد ناخدا تھا

تارہ مرا چمک کر بحرِ فلک میں ڈوبا — چادر میں بزمِ غم کی وہ چاند چھپ گیا تھا

میں ڈوبکر ابھرتا ۔ بحرِ فنا میں کیونکر — دم تھا گراں یہ مجھکو میں شایقِ فنا تھا

امواجِ قصرِ دل کو برباد کر رہی تھیں — اُمید کا اثاثہ رہ رہ کے ڈوبتا تھا

بس سیلِ مرگ دیکھا جوش و خروش تیرا — دل کو میرے مٹا کر ۔ کیا مجھکو چھوڑنا تھا

اے موجِ بحر حالت دیکھا ترا تلاطم — دل کو میرے بہا کر ۔ مجھکو بھی لیچلا تھا

بڑھ بڑھ کے ہاتھ مارے ناحق کو تمنے ہمدم

ڈوبے ہوئے کے پیچھے تم کو بھی ڈوبنا تھا

مندرجہ ذیل غزلیں دیر میں پہونچیں لہذا بغیر ترتیب درج کیجاتی ہیں

بابلبلی ۔ جناب پنڈت رام نرائن صاحب شرما فرخ آبادی
(ہندی خواں)

آنکھوں میں کیا کلوروفارم بھرا ہوا تھا
جسکو بھی اُسنے دیکھا بیہوش ہو گیا تھا

مقتل میں سب کا اُسنے جب امتحان لیا تھا
دشمن تھا فیل بالکل میں پاس ہو گیا تھا

اللہ رے بدنصیبی چرخ اسکو تاکتا تھا
گلشن میں جو ہمارا ٹوٹا سا گھونسلا تھا

وہ کاٹنے کو دوڑے اللہ رے یہ غصہ
اتنی مری خطا تھی میں بوسہ مانگتا تھا

بے خوف بزم دشمن میں آج گھس گیا میں
میرا ہی یہ جگر تھا، میرا ہی حوصلہ تھا

دم تو نکل چکا تھا عین انتظار کی شب
پر چشم منتظر کا پھاٹک کھلا ہوا تھا

محفل میں تیری شبکو وہ دشمنِ سیہ رو
تھا گھورتا مجھے، میں بھُنتے سے ٹر رہا تھا

دیدار یار اُسکو آخر ہوا نہ حاصل
برسوں ہی سنگ در پر گڑ اعدو فنا تھا

دیکھی جو چشم عبرت سے ہمنے بزم دنیا
کچھ اصلیت نہ پائی خالی ڈھکوسلا تھا

جب میں نے چشم حق بیں سے حسنِ یار دیکھا
حسنِ مجاز میں بھی وہ ہی چمک رہا تھا

رہنے لگا بلبلیلے انکے گھر میں ہردم
اچھی نکیل ڈالی، کیا خوب اسکو نتھا

بحر - جناب لالہ انبا پرشاد صاحب مختار عدالت مظفر نگر

کچھ آپ بھی بتاتے اعدا نے کیا کہا تھا
کچھ میں بھی دل کی کہتا کیا میرا مدعا تھا

دستِ جنوں کا مجھکو دنیا میں آسرا تھا
فرقت میں زندہ رہتا کیا میرا حوصلہ تھا

میں جستجو میں تیری دنیا میں آگیا تھا
ورنہ مرا جہاں میں کب کوئی آشنا تھا

اک شب میں خندۂ گل پیر اوس پڑ گئی ہے
وہ آج رو رہا ہے کل تک جو ہنس رہا تھا

او تشنۂ محبت کیوں تو نے جان دیدی
منزل تھی عشق کی یا میدانِ کربلا تھا

واعظ نے بحر تجھکو بدنام کردیا ہے
تو اب بھی پارسا ہے، پہلے بھی پارسا تھا

غزل معرفت

دہوم - جناب لالہ دہوم سنگھ صاحب رئیس اعظم و آنریری منصف مظفر نگر

وحدت کا جام ساقی بھر بھر پلا رہا تھا
چاہت میں اس صنم کی بیخود بنا رہا تھا

وہ ماہرو ازل سے دلمیں سما رہا تھا
پیشِ نظر تھا میرے وہ مجھسے کب جدا تھا

محوِ جمالِ جاناں جنت کی کیوں ہے خواہش
حوروں پہ کیوں نظر تھی گر تو پارسا تھا

مسجد شوالا مندر دیر و حرم میں پایا
ہر جا میں دیکھتے ہیں تو ہی سما رہا تھا

صوفی مہاتما کیا اور شیخ کیا برہمن
پایا اُسی نے اُسکو دل جان سے جو ڈھونڈتا تھا

ڈھونڈا جسی نے پایا محو جمال ہو کر
کس دل میں تو نہیں تھا کس دل سے تو جدا تھا

گھس گھس کے کیوں مٹاؤ کیا امتحان ہے باقی
دل تو پرکھ چکے تھے کھوٹا تھا یا کھرا تھا

دنیا میں اہل ثروت تیرے فقیر جانے
کچھ بھی نہ کرنے پائے دو دن کا ماجرا تھا

معشوق اور عاشق ہیں عشق تیرے جلوے
یہ تیری ابتدا تھی وہ تیری انتہا تھا

معشوق و عاشقوں میں جلوہ نمائی تیری
جس نے بغور دیکھا ہر دل میں آ بسا تھا

محو جمال جاناں کسکو خبر تھی اپنی
آہوں نے کیوں کمی کی گر نالہ نارسا تھا

دنیا میں دھوم اسکی ہر سو میں اسکا جلوہ
دونوں جہاں میں سبکو گن اسکے گا رہا تھا

غزل دیگر در بیان معرفت

بسلسلہ غزل اول جبکہ عشق صادق میں محو ہو کر صوفی یا مہاتما
منی ہو جاتے ہیں وہ کیسے بادشاہی پاتے ہیں

بے خود بعشق حقیقت بن بن میں جا رہا تھا
دیدار شوق جاناں دل میں سما رہا تھا

پائی گدا نے شاہی محو جمال ہو کر
جملہ عروج شاہی مجھکو بلا رہا تھا

گردونِ دوں تھا سر پر تاجِ شہی سپہر
اوج ہما کا سایہ سر پہ پھرا رہا تھا

رنگین لباس تن پر سرخی تھی سب بدن پر ۔ خورشید ماہِ تاباں خلعت پنہا رہا تھا
گلشن میں نغمہ بلبل صحرا میں فوج وحشی ۔ زیر قدم کے سبزہ اور گل بچھا رہا تھا
پاؤں پڑے پھپھولے خار آ قدم کو چومیں ۔ تھا تخت خاک ذرہ مسند بچھا رہا تھا
کیا خوشنما صدائیں برگ شجر سے آئیں ۔ چتر شہی بگولا سر پر پھرا رہا تھا
سبزہ لہک سلامی مرغاں چہک غلامی ۔ غنچہ چٹک مہک کر گل بو سنگھا رہا تھا
طاؤس رقص طوطی نغمہ سرائے بلبل ۔ مرغ چمن خوش الحاں نغمہ سنا رہا تھا
تنہائی چتر سالی پھل پھول بنکے مالی ۔ جھک جھک کے لائے ڈالی نظریں دکھا رہا تھا
کیسی جھلک چمک تھی موسیٰ سی کوئی پوچھے ۔ جب طور پر تجلیاں جلوہ دکھا رہا تھا

دو اشعار (ج) بطور نمونہ قصہ طلب

ایک چیتر مار چھیلا چرخہ چلا رہی تھی ۔ چخ چخ کا شور ہوں ہوں چرخہ مچا رہا تھا
چلتے کسی نے پوچھا انگلی کا شکر چمچے ۔ انکی نظر سے عالم چکر پہ آ رہا تھا

باہتمام مولوی محمد میاں مالک اتحاد پریس مظفرنگر طبع گردید
مئی سنہ ۱۹۲۸ء